سیّد امیر علی

برصغیر پاک و ہند کی مسلم سیاست اور مسلم نشاۃ ثانیہ

پروفیسر ایم اے رحیم کراچی یونیورسٹی ☐ اردو ترجمہ۔ شاہ محی الحق فاروقی

رائٹ آنریبل سید امیر علی نے اپنی سرگزشت (MEMOIRS) میں مسلمانوں کے حافظے کے کمزور ہونے کا گلہ کیا ہے۔ دراصل ہماری قوم کی یہ ایک بڑی کوتاہی ہے کہ ہم اپنے رہنماؤں کے کارناموں کا صحیح اعتراف نہیں کرتے اور قوم کی خاطر ان کی خدمات اور قربانیوں کو فراموش کر دیتے ہیں۔ یہ الزام بالخصوص سید امیر علی کے کارناموں اور تصنیفات کے معاملہ میں ہماری قوم پر عائد ہوتا ہے۔ سید امیر علی ایک ممتاز قانون دان، کلکتہ ہائی کورٹ کے پہلے مسلمان جج اور پریوی کونسل میں رکنیت کا اعزاز پانے والے پہلے ہندستانی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اسلامی تاریخ، اسلامی ثقافت و قانون پر ان کی عالمانہ تصنیفات بھی ان کی یاد دلاتی ہیں لیکن اس بات کا علم بہت کم ہے کہ انھوں نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں بھی ایک اہم کردار انجام دیا ہے۔ اور یہ کہ اس میدان میں ان کے تعمیری کاموں نے مسلم قوم کی معاشرتی اور سیاسی حیاتِ نو کے لئے راستہ ہموار کیا۔ علاوہ ازیں اس بات کی بھی صحیح قدر نہیں کی جاتی کہ مسلمانوں کے ثقافتی احیاء اور اس برصغیر میں مسلم نشاۃ ثانیہ کی تحریک کو آگے بڑھانے میں ان کا بڑا حصہ تھا۔

سید امیر علی ۸ اپریل ۱۸۴۹ء کو پیدا ہوئے اور محسن کالج ہگلی (مغربی بنگال) میں جہاں ان کے والد سید سعادت علی آباد ہو گئے تھے، تعلیم پائی۔ امیر علی نے کلکتہ یونیورسٹی سے ۱۸۶۷ء میں بی۔ اے اور ۱۸۶۹ء میں ایم۔ اے۔ ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ لندن میں قانونی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ فروری ۱۸۷۳ء میں کلکتہ میں ایڈووکیٹ ہو گئے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امیر علی بنگال کے پہلے مسلمان تھے جنہوں نے ایم اے اور بیرسٹری کے امتحانات پاس کئے۔

[illegible] میں سید امیر علی کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو اور پریزیڈنسی کالج میں مسلم قانون کے جز وقتی لیکچرار

مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۷ء سے وہ کلکتہ کے پریسیڈنسی مجسٹریٹ بن گئے لیکن انہیں اصل دلچسپی وکالت اور قومی زندگی سے تھی۔ لہذا ۱۸۸۱ء میں انھوں نے پھر وکالت شروع کر دی۔ سید امیر علی ۱۸۷۸ء سے ۱۸۷۹ء تک اور پھر ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۳ء تک بنگال قانون ساز کونسل کے رکن بھی رہے۔ ۱۸۸۳ء میں انھیں وائسرائے کی امپیریل قانون ساز کونسل کا ایک مسلم رکن نامزد کیا۔ ۱۸۸۴ء میں وہ کلکتہ یونیورسٹی کے ٹیگور لاء پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۰ء میں سید امیر علی کو ہائی کورٹ کا جج بنا دیا گیا اور ۱۹۰۴ء تک جب وہ اس عہدے سے ریٹائر ہوئے، وہ بڑے امتیاز کے ساتھ اس عہدہ سے منسلک رہے۔ اس کے بعد اُنھوں نے انگلستان میں مستقل قیام اختیار کر لیا۔ ۱۹۰۹ء میں وہ پریوی کونسل کے رکن نامزد ہوئے اور ۳ اگست ۱۹۲۸ء یعنی اپنے انتقال کے دن تک وہ اس کی قانونی کمیٹی میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کے علم و فضل اور ممتاز قانون داں ہونے کی بنا پر ۱۹۱۲ء میں کیمبرج اور کلکتہ یونیورسٹیوں نے علی الترتیب انھیں ایل ایل ڈی اور ڈی ایل کی ڈگریاں دیں اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے انھیں ڈی لٹ کی ڈگری کا اعزاز دیا۔ ۱۸۸۷ء میں انھیں سی آئی ای کا خطاب ملا لیکن چونکہ مسلمانوں کے معاملات کی پیہم وکالت کی وجہ سے انھوں نے برطانوی حکام کو برافروختہ کر دیا تھا لہذا انھیں نائٹ (سر) کا رتبہ نہیں دیا گیا۔

مسلمانوں کی حالت

سید امیر علی نے اپنی زندگی کی ابتدا سے ہی۔ خواہ بطور پیشہ ور وکیل کے خواہ بطور ہائی کورٹ کے جج کے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور ترقی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ اس میدان میں ان کی تصانیف اور خدمات کی صحیح قدردانی کے لئے ان کے عہد کے مسلمانوں کی حالت اور سیاسی ماحول کا کچھ علم ہونا ضروری ہے۔ انیسویں صدی کے آخری دنوں میں مسلم معاشرہ اپنے زوال اور پس ماندگی کی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ برطانوی حکمرانوں کی مختلف سیاسی، انتظامی اور مالی کارروائیوں مثلاً استمراری بندوبست مجریہ ۱۷۹۳ء۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۴۶ء کے دوران اجارہ داریوں اور معافی والی اراضیات پر دوبارہ قبضہ، ۱۸۳۷ء میں سرکاری زبان کی تبدیلی اور ۱۸۶۴ء میں ملازمت کے لئے انگریزی زبان کو لازمی قرار دینے کے حکم وغیرہ نے مسلمانوں کی معاشی اور تعلیمی زندگی کو برباد کر دیا تھا مسلمانوں کے خلاف بداعتمادی کی پالیسی ان سب پر مستزاد تھی جو برطانوی حکومت کے خلاف تحریک جہاد اور ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا نتیجہ تھی۔ بغاوت میں ملوث مشتبہ افراد کے خلاف حکمرانوں کے انتقامی جبر و تشدد نے مسلمانوں کو اس قدر برانگیختہ کر دیا تھا کہ ۱۸۷۱ء میں ایک مسلمان نے بنگال کے چیف جسٹس جان پیکسٹن نارمن (JOHN PAXTON NORMAN) کو ان کی

عدالت کے دروازہ پر چھرا بھونک کر ہلاک کر دیا۔ اور اگلے سال انڈمان میں ایک وہابی قیدی شیر علی نے گورنر جنرل لارڈ میو کو قتل کر دیا۔ [۲]

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بنگال، بہار اور اڑیسہ میں مسلم حکومت کے خاتمہ کے وقت سے، جو تاریخی عوامل مسلمانوں کے خلاف کارفرما ہے، انھیں عوامل نے مسلمانوں کو خوش حالی کی بلندی سے افلاس کی پستی میں گرا دیا لیکن ان کی پس ماندگی اور نکبت میں کسی قدر دخل خود ان کے اپنے غرور اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق خود کو بدلنے میں ان کی اپنی بے حسی کو بھی ہے۔ چونکہ برصغیر کے شمالی خطہ کے مقابلہ میں بنگال کو غیر ملکی حکومت کا تجربہ نسبتہً زیادہ طویل ہوا اور حکمرانوں کے انتظامی اور مالی اقدام کے مضر اثرات کا شکار بھی وہیں کے مسلمان زیادہ ہوئے لہٰذا شمالی ہندوستان کے مقابلہ میں بنگال کے مسلمانوں نے مصیبتیں بھی زیادہ برداشت کیں۔

مسلم رہنما اور سیاسی بے حسی انیسویں صدی میں مسلمان قوم جس بحرانی دور سے گزر رہی تھی، اس میں اپنی رہنمائی کے لئے اس نے کئی رہنما پیدا کئے۔ ان میں نواب عبداللطیف اور سید احمد خان کے نام بہت مشہور ہیں۔ یہ دونوں رہنما اپنے زمانہ کی مسلم تاریخ پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے مسلمانوں کی زبوں حالی کی اصلاح کے لئے اُنھوں نے حکمرانوں سے وفاداری کی ترغیب اور مسلم قوم میں انگریزی تعلیم کی ترویج کے دوہرے لائحۂ عمل کو اختیار کیا۔ نواب عبداللطیف نے بنگال میں حکومت سے وفاداری اور تعلیم کی تحریک شروع کی جب کہ سید احمد خان نے یہی تحریک شمالی ہندوستان میں چلائی۔ انھوں نے حکمرانوں کی طرف مسلمانوں کے رویہ میں اور مسلمانوں کے لئے برطانوی حکمتِ عملی میں تبدیلی پیدا کرنے کے سلسلہ میں غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

سید احمد خان کی شہرت اپنی آب و تاب میں امیر علی ہی نہیں بلکہ نواب عبداللطیف کی شہرت سے بھی بڑھ گئی جنھوں نے بنگال کے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کی ترویج کی ابتدا کر کے سید احمد خان کے لئے ایک مثال قائم کر دی تھی کہ وہ بھی شمالی ہندوستان کے لئے وہی لائحۂ عمل اختیار کریں لیکن مسلم سیاست اور نشاۃِ ثانیہ میں امیر علی کا حصہ اپنے ان دونوں بزرگ معاصرین سے زیادہ اہم اور مؤثر ہے۔ امیر علی پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے بہت شروع میں یعنی ۱۸۷۷ء میں مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کی ضرورت کا احساس کر لیا تھا۔ اُنھوں نے برصغیر میں مسلمانوں کی پہلی قومی سیاسی جماعت قائم کی۔ ایک مسلم سیاسی جماعت کے

منصوبہ کا بے باک قدم اُنھوں نے اس وقت اُٹھایا جب کہ ان کے بزرگ معاصرین سیاست میں ایک قسم کی قناعت پسندی کے قائل تھے اور پس ماندہ اور نکبت زدہ مسلمانوں کی اصلاح کے لئے اپنے انگریزی تعلیم والے منصوبہ کو سب سے زیادہ تیر بہدف نسخہ سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس امیر علی مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کی ترویج کی اہمیت سے غافل نہیں تھے بلکہ مسلم معاشرہ کی تعلیمی ترقی تو ان کا ایک بنیادی مقصد تھا لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ انفرادی کوششوں کے مقابلہ میں ایک سیاسی جماعت کے ذریعہ تعلیم کے منصوبہ کو زیادہ مؤثر طریقہ سے آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

ہندو قوم پرست طاقتوں کا آغاز انیسویں صدی کے وسط میں ہندو قوم پرست طاقتوں کے آغاز کو سید امیر علی نے محسوس کیا۔ اس کی بنیاد نو ہندو مت یا عام زبان میں ہندو دھرم کے احیاء پر تھی جو قدیم ہندو روایتوں سے متاثر تھی۔ بنگال کے ناول نگار بنکم چندر چٹرجی نے ہندو قوم پرست تحریک کو ایک عقلی شکل دے دی۔ بنگالی ہندو شعراء نے راجپوتوں، سکھوں اور مرہٹوں کی فتوحات پر محبِ وطن نظمیں اور قومی نغمے لکھے۔ کچھ دنوں کے بعد ہندوؤں کی مذہبی قوم پرستی نے سیاسی قوم پرستی کا روپ دھار لیا۔ ہندو سیاسی قوم پرستی کا آغاز سب سے پہلے بنگال سے ہوا جس کا سبب کئی عوامل تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ کسی اور خطہ کے مقابلہ میں سب سے پہلے بنگال میں انگریزی تعلیم کی ابتداء اور ترقی ہوئی۔ سب سے پہلے اسی صوبہ نے مغربی نظریات کے اثرات کو محسوس کیا۔ دوسری بات یہ کہ ہندو مت کے احیاء کی تحریک نے قوم پرستی کی بنیاد فراہم کی۔ تیسری بات یہ کہ بنگالی ادب نے بھی اور اخبارات و رسائل بالخصوص "ہندو پیٹریٹ" اور "امرت بازار پتریکا" نے بھی قوم پرستانہ نظریات میں شدت پیدا کر دی۔ آخری بات یہ کہ ہندو رہنماؤں مثلاً سریندر ناتھ بنرجی نے اپنے عہد کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں قومی احساسات کو اُبھارا اور اپنے مفادات کو ترقی دینے اور قومی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جماعتیں بھی قائم کیں۔ ۱۸۳۷ء میں ہندو زمینداروں نے لینڈ ہولڈرس سوسائٹی اور ۱۸۴۳ء میں تعلیم یافتہ ہندوؤں نے بنگال برٹش انڈیا سوسائٹی قائم کی جسے ۱۸۵۱ء میں قائم ہونے والی برٹش انڈین سوسائٹی میں مدغم کر دیا گیا۔ ۱۸۷۵ء میں انڈین لیگ قائم ہوئی جس کی جگہ بعد میں انڈیا ایسوسی ایشن نے لے لی۔ یہ ایسوسی ایشن ۱۸۷۶ء میں کلکتہ میں سریندر ناتھ بنرجی نے قائم کی تھی۔ اس نئی سیاسی جماعت کا مقصد رائے عامہ کی ایک مضبوط ہیئت قائم کرنا اور مشترک سیاسی مفادات اور خواہشات کی بنیادوں پر ہندوستانی نسلوں اور عوام کو ایک کرنا تھا[۵۲]۔ بنگال کے ہندو رہنماؤں کے سیاسی اور قومی نظریات دوسرے

صوبوں میں پھیل گئے۔ اسی پر گوکھلے نے کہا تھا کہ "بنگال جو کچھ آج سوچتا ہے۔ بقیہ ہندوستان وہ ایک دن بعد سوچتا ہے۔"

سید امیر علی نے محسوس کیا کہ قوم پرستی کا لائحہ عمل جسے ہندو رہنماؤں نے اختیار کر رکھا تھا مسلم مفاد کے منافی ہوگا اور پس ماندہ مسلم اقلیت پر طاقت ور ہندو اکثریت کے اقتدار پر منتج ہوگا۔ کلکتہ قوم پرست خیالات اور ہندو انجمنوں کا مرکز تھا۔ اس دار الحکومت کے ہندو رہنماؤں اور دانش وروں سے امیر علی اچھی طرح واقف تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو بھی مسلمانوں کے خلاف اپنی روایتی نفرت کی سطح سے بلند نہیں ہوتا اور مسلمان حوصلہ افزاؤں کے مقابلہ میں ایک یک پیشہ کی نگرانی بڑی چوکسی کے ساتھ کرتا ہے۔ کلکتہ میں اپنی وکالت کے ابتدائی دور میں انہیں اس کا ذاتی تجربہ بھی ہوا تھا۔

ایک سیاسی انجمن کی ضرورت سید امیر علی دیکھ رہے تھے کہ برصغیر کی سیاسی زندگی حالت تغیر میں ہے۔ مسلمان اپنی سیاسی بے عملی کی وجہ سے اپنی حیثیت کو بلند کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ تغیر پذیر سیاسی حالات اور ہندوؤں میں قوم پرست تحریک کے ظہور کی روشنی میں امیر علی نے مسلمانوں کے مفاد اور جائز حقوق کی حفاظت کے لئے جلد ہی ایک سیاسی تنظیم کی ضرورت کا احساس کیا۔ اپنی سیاسی انجمن کی ابتداء کا ذکر کرتے ہوئے امیر علی لکھتے ہیں "ہندوستان کے مسلم باشندوں میں مکمل سیاسی تربیت کے فقدان اور اس عظیم برتری اور اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے جو ہندو انجمنوں سے ان کی قوم کو ملتی ہے میں نے ۱۸۷۷ء میں نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی۔" ۴۲

معاصر مسلمان رہنماؤں کی سیاسی قناعت پسندی کا ذکر کرتے ہوئے امیر علی کہتے ہیں "انگلستان اور ہندوستان دونوں ہی جگہ مجھے برطانوی ہندوستان کی سیاسی معیشت میں مسلمانوں کی حیثیت اور ان کی آئندہ خوش حالی کے متعلق سر سید احمد سے گفت گو کرنے کا موقعہ ملا۔ سید احمد خاں اس سلسلہ میں انگریزی تعلیم اور علمی تربیت پر مکمل اعتماد رکھتے تھے۔ میں بھی ان چیزوں کی اہمیت کو محسوس کرتا تھا، لیکن میں نے اس بات پر زور دیا کہ اگر بحیثیت ایک قوم کے ان کی سیاسی تربیت ان کے ہندو ہم وطنوں کے متوازی خطوط پر نہ ہوئی تو ہندو قوم پرستی کی ابھرتی ہوئی لہروں میں ان کا غرق ہو جانا یقینی ہے۔ پہلے تو انھوں نے میرے قیاس کی صحت کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ نیشنل کانگریس کے قیام نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ ۱۸۷۷ء میں جب میں نے سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی

تو ہم نے ان کی گراں قدر حمایت کے لئے ان سے مؤدبانہ درخواست کی لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا[۵۵]۔ امیر علی کہتے ہیں" بالآخر سرسیّد نے مسلمانوں کے ذہن و عمل کو صرف درسی تعلیم میں محدود کر دینے اور انھیں سیاسی تربیت سے الگ تھلگ رکھنے کے خطرات کو محسوس کر لیا تھا۔ اس کے بعد جلد ہی انھوں نے مسلم ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی لیکن اس تاخیر کی وجہ سے جو نقصان ہو گیا پھر اس کی تلافی نہ ہو سکی[۵۶]"۔ نواب عبداللطیف نے بھی امیر علی کی انجمن کی تائید نہ کی بلکہ اُنھوں نے امیر علی اور ان کے نوجوان سیاسی رفقاء پر تنقید بھی کی[۵۷]۔

خود انگریزوں نے بھی اس عہد کے مسلمانوں کی سیاسی قناعت پسندی اور بے حسی کو محسوس کیا۔ ڈبلو۔ ایس۔ بلنٹ نے جو ۱۸۸۳ء میں کلکتہ آیا تھا، لکھا ہے کہ" انگلستان میں ہم لوگوں کو ہندوستانی مسلمانوں کی بغاوت کا تصوّر ہی خوف زدہ کر دیتا تھا اور اسی لئے ہم لوگ کسی مسلمان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک لفظ کو بیس ہندوؤں کے الفاظ سے زیادہ اہمیت دیتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان اپنی موجودہ خود فریبی کی کیفیت میں مبتلا رہے تو انگریز انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینے میں بڑی مسرّت محسوس کریں گے"۔

انجمن کے مقاصد امیر علی نے محسوس کر لیا تھا کہ ایک سیاسی جماعت کی غیر موجودگی میں حکومت کے سامنے مسلمانوں کی توقعات، اُمنگیں، جائز حقوق اور ضروریات کو مؤثر طریقہ سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جو چند مسلمان جماعتیں قائم بھی تھیں ان کا بنیادی تعلق ادب یا سائنس سے تھا اور وہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق و مفادات کی شایانِ شان نمائندگی نہیں کرتی تھیں حالانکہ اپنی تعداد اور یک رنگی کے لحاظ سے مسلمان ہندوستان کی قومی زندگی کا ایک اہم جُز تھے۔ مسلمانوں کے عام مفادات کی حفاظت اور بقا کے لئے امیر علی نے ۱۸۷۷ء میں کلکتہ میں سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔[۵۸]

اس سیاسی جماعت کے اغراض و مقاصد کو اس کے منشور میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ" یہ جماعت جو جائز اور دستوری ذریعوں سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے مقصد سے قائم کی گئی ہے۔ اسے لازمی طور پر تاجِ برطانیہ سے گہری اور وفادارانہ وابستگی کے اصول پر قائم کیا گیا ہے۔ یہ جماعت ماضی کی شاندار روایات سے فیضان حاصل کرتے ہوئے مغربی تہذیب اور ترقی پذیر عصری رجحانات کی مطابقت میں کام

کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس جماعت کا مقصد یہ ہے کہ خود مسلمانوں میں احیاء اخلاق اور ان کے جائز اور معقول مطالبات کو حکومت سے منوانے کے لئے پیہم جد و جہد کے ذریعہ ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی احیاء کرے۔ اس جماعت کا مقصد پورے ملک کے لوگوں کے عمومی مفاد کو بھی تقویت پہنچانا تھا۔ ۹

کلکتہ کی سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کی ابتداء ۱۸۷۷ء میں دو سو اراکین سے ہوئی۔ پانچویں برس یہ تعداد چھ سو سے بڑھ گئی اور پھر اس جماعت کی شاخوں نے بھی آٹھ سو اراکین بنائے۔ ذاتی طور پر جا کر اور خط و کتابت کے ذریعہ بھی سید امیر علی نے جو اس انجمن کے بانی اور سیکرٹری تھے، بنگال، بہار، یو پی، پنجاب، مدراس اور بمبئی میں اس کی ترپن^۵۳ شاخیں قائم کیں۔ یہ تعلیم یافتہ متوسط طبقہ کی تنظیم تھی اور اس کے اراکین اپنی سرکاری اور سماجی حیثیت کے لئے بھی اور قومی جذبہ کے لئے بھی مشہور تھے۔ اگرچہ بنیادی طور پر یہ مسلمانوں کی انجمن تھی لیکن اس کے دروازے دوسری قوم کے لوگوں کے لئے بھی کھلے ہوئے تھے۔ انجمن کے دستور نے اسے ہندوستان کے عمومی فلاح و بہبود اور بالخصوص مسلمانوں کے مفادات کے لئے کسی اور سیاسی جماعت کے ساتھ تعاون کرنے کا اختیار بھی دیا تھا۔ ۱۰ ۱۸۸۵ء میں کانگریس کے پہلے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں امیر علی اور ان کے رفقاء نے اس توقع میں حصہ لیا کہ اس کا لائحہ عمل ہر گروہ کے لوگوں کو فائدہ پہنچائے گا لیکن ان لوگوں نے کانگریس کے دوسرے اجلاس میں شرکت نہیں کی کیونکہ انھیں یہ خوف تھا کہ کانگریس کے لائحہ عمل کو غیر مشروط طور پر اختیار کر لینے سے مسلمان سیاسی طور پر ختم ہو جائیں گے۔ یہ محسوس کر لیا گیا تھا کہ مکمل نمائندگی کا اصول جسے کانگریس نے اختیار کیا تھا وہ مسلمانوں پر ہندو تسلط کو ہمیشہ کے لئے مسلط کر دے گا۔ ۱۱

لائحہ عمل | سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کی بنیاد تاجِ برطانیہ سے وفاداری پر تھی۔ اس کا مقصد دستوری طریقوں سے سیاسی تحریک کے ذریعہ مسلمانوں کے منشاء و مقصد کو نفع پہنچانا تھا۔ اس انجمن نے گورنر جنرل اور گورنر کے پاس یادداشتیں پیش کرنے، وفود بھیجنے، انھیں استقبالیہ دینے اور سپاس نامے پیش کرنے کے مغربی طرز کے دستوری طریقہ کو اختیار کر لیا تھا۔ مسلمانوں کی سیاسی تربیت اور ان کے فکر و عمل میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے یہ انجمن وقتاً فوقتاً تقریروں اور سماجی تقریبوں کا انتظام کرتی تھی اور سالانہ جلسے منعقد کرتی تھی۔ اس نے جلسوں اور اخبارات کے سلسلے میں

حکومت کے سامنے مسلمانوں کے حقوق کی وکالت کی اور مسلمانوں سے متعلق اہم مسائل کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کرائی۔ اس انجمن کی خواہش تھی کہ اس قسم کی سیاسی کارروائیوں کے ذریعہ مسلمانوں کو سیاسی طور پر دوبارہ زندہ کر دیا جائے۔

سید امیر علی کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی اخلاقی نشاۃِ ثانیہ ان کی سیاسی نشاۃِ ثانیہ کے لئے بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کے تابناک ماضی کا احیاء ان کے احیاء اخلاق پر اثر انداز ہوگا۔ اور پھر یہ ترقی پذیر عصری قوتوں کی مطابقت میں عمل کرنے کے لئے حالات سازگار کرے گا۔

تعلیمی سرگرمیاں سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے بھی ہر ممکن کوشش کی۔ ۱۸۸۱ء میں انجمن نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کی طرف حکومت اور عمائدینِ تعلیم کی توجہ مبذول کرائی گئی تھی۔ اس کتابچہ میں چاٹگام، راجشاہی اور ہگلی میں زوال پذیر مدرسوں کے چلانے میں محسن فنڈ کے زبردست ضیاع کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ اس روپیہ کو کلکتہ میں مسلمان طلباء کے لئے انگریزی کالج اور اقامت گاہ قائم کر کے زیادہ مفید طریقہ پر صرف کیا جائے۔[۱۲] ۱۸۸۲ء میں ہنٹر کمیشن کے سامنے شہادت دیتے ہوئے سید امیر علی نے اس بات پر زور دیا کہ اب مسلمان انگریزی تعلیم سے متنفر نہیں ہیں بلکہ ان کی پس ماندگی کا سبب ان کی غربت ہے۔ مزید برآں اسکولوں میں ہندو نقطۂ نظر کی لادینی تعلیم، کثیر اخراجاتِ تعلیم، اسکولوں میں مسلم اساتذہ کی غیر موجودگی اور مسلم طلباء سے ہمدردانہ سلوک کا فقدان بھی مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کی راہ میں مزاحم ہیں۔ انھوں نے مدلّل طریقوں سے اصلاحی تدبیریں بتائیں۔ مثلاً اسکول کی فیس میں کمی، مسلم اکثریت کے علاقوں میں مسلم اساتذہ اور انسپکٹروں کا تقرر اور اسکول کے نصاب میں عربی اور فارسی کا شمول۔ انہوں نے مسلمانوں کی تعلیم پر وقف کی بکھری ہوئی جائدادوں کے استعمال کا مشورہ بھی دیا۔ سید امیر علی نے کالجوں کے مسلمان طلباء کو محسن فنڈ سے وظائف دینے اور کلکتہ مدرسہ کو کالج بنانے پر بھی زور دیا۔[۱۳]

آخر کار اس وکالت کا کچھ اثر ہو ہی گیا۔ ۱۸۸۴ء میں حکومت نے کلکتہ مدرسہ میں کالج کے درجے قائم کر دیئے۔ ایسوسی ایشن نے بھی مسلمان طلباء کے لئے ڈاکٹری، انجینیرنگ اور آرٹس کالجوں میں چار وظائف جاری کئے۔[۱۴] ۱۸۸۴ء میں اپنے کراچی کے سفر کے دوران سید امیر علی نے وہاں ایک مسلم کالج قائم کرنے کی تحریک چلائی جس میں دینی اور دنیوی تعلیم کا انتظام ہو۔ ان کے نائب حسن علی کے ذریعہ کراچی میں جلد ہی ایک مسلم کالج قائم ہو گیا۔[۱۵]

۱۸۸۲ء کی یادداشت ۱۸۸۲ء میں وائسرائے لارڈ رپن کے سامنے ایک یادداشت پیش کرنا سید امیر علی

اور ان کی انجمن کا ایک قابلِ ذکر کارنامہ ہے۔ یہ یادداشت ان کے ایک مضمون "اے کرائی فرام دی انڈین محمڈنز" (ہندوستانی مسلمانوں کی ایک فریاد) پر مبنی تھی جو اگست ۱۸۸۲ء کے نائن ٹینتھ سنچری (انیسویں صدی، انگلستان کا ایک رسالہ) میں شائع ہوا تھا۔ ہندو اخبارات نے اس مضمون پر بڑی شدید تنقید کی تھی۔ اس یادداشت میں واضح طور پر یہ بتایا گیا تھا کہ مسلمان حکومت کے وفادار ہیں لیکن اپنی زبوں حالی سے ناخوش ہیں۔ اس یادداشت میں ان تاریخی عوامل کا سراغ لگایا گیا تھا جو گزشتہ زمانہ کی خوش حال اور روشن دماغ مسلم قوم کی غربت اور پس ماندگی کا باعث تھے۔ اس یادداشت میں ان مختلف سرکاری اقدامات کی نشان دہی بھی کی گئی تھی جنہوں نے ماضی میں مسلمانوں کو دفتروں سے خارج کر دیا تھا اور جن سے فائدہ اٹھا کر حال میں سرکاری ملازمت کے دروازے ایک مختلف قوم کے افراد نے ان پر بند کر دیئے تھے جو جائز اور کبھی ناجائز طریقوں سے دوسروں کو باہر رکھ کر اپنے خود غرضانہ مفادات کی نگرانی بڑی چوکسی سے کرتے تھے۔ اس یادداشت میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ مفتی اور قاضی القضاۃ کے عہدوں کا خاتمہ قانونی ملازمتوں اور انصرام قانون میں مسلمانوں پر اثر انداز ہوا۔ [۱۶]

اس یادداشت میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ سرکاری معاونت اور سرپرستی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان توازن کو برقرار رکھا جائے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں کے مطالبات پر فوری توجہ دینے کے لئے محکموں اور دفتروں کے سربراہوں کو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے مختلف احکام کے باوجود مسلمانوں کو ملازمت نہیں ملتی تھی۔ جن افسروں کو اصل اقتدار و اختیار حاصل تھا، وہ ان احکام کو نافذ نہیں کرتے تھے۔ یادداشت پیش کرنے والوں نے مسلمانوں کی ملازمت کے لئے مخصوص اہتمام اور طریقِ کار اور مختلف عدالتوں میں مسلمان جج مقرر کرنے کے لئے حکومت پر زور دیا۔ اُنھوں نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے وقف کی جائدادوں اور محسن فنڈ استعمال کرنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے بہار کے مسلمانوں کے اُردو کو عدالتی زبان بنانے کے مطالبہ کی بھی تائید کی۔ یادداشت پیش کرنے والوں نے وائسرائے سے مسلمانوں کی حالت کی اصلاح کے لئے قدم اُٹھانے کی اپیل کی جن کی پستی اور بددلی قوم کے لئے بھی اور سلطنتِ برطانیہ کے مفاد کے لئے بھی خطرناک تھی۔ [۱۷]

نواب عبداللطیف نے سید امیر علی کی انجمن کے ان خیالات سے بے تعلقی کا اظہار کیا۔ "ٹائمس آف انڈیا" میں اپنے ایک اعلان بے تعلقی میں اُنھوں نے لکھا کہ ملازمتوں کی تقسیم میں مسلمانوں کے مخصوص حقوق کے جو مطالبات یادداشت میں پیش کئے گئے ہیں، انھیں ہندوستان میں انگریزی حکومت کے عادلانہ اصولوں سے عدم مطابقت کی بنا پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ سید احمد خان نے بھی یادداشت پیش کرنے والوں کے اس مطالبہ سے کہ ملازمتوں

میں مسلمانوں کے لئے مخصوص گنجائش رکھی جائے، اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا۔ ۱۸؎

۱۸۸۵ء کی قرارداد مرکزی حکومتِ ہند نے اس یادداشت کی نقلیں صوبائی حکومتوں، اعلیٰ عدالتوں، تعلیم کے محکموں اور مختلف انجمنوں کے پاس رائے دینے کے لئے اور ہنٹر کمیشن کو مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کیں۔ ۱۵ جولائی ۱۸۸۵ء کو لارڈ ڈفرن کی حکومت نے ۱۸۷۱ء سے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے حکومت کے اقدامات کا جائزہ لیتے ہوئے ایک قرارداد منظور کی جس میں اس امر پر اطمینان کا اظہار کیا گیا کہ یادداشت نے اس مسئلہ پر حکومت کی توجہ ایک بار پھر مبذول کرائی تھی۔ قرارداد میں ہنٹر کمیشن کی اس سفارش کی تائید کی گئی کہ "محکمہ تعلیم کی سالانہ رودادمیں ایک باب مسلمانوں کی تعلیم کے لئے مخصوص ہونا چاہیئے" تاکہ حکومتِ ہند" قوم کے اس اہم طبقہ کی ترقی کی کیفیت سے پوری طرح باخبر رہے"۔ قرارداد میں مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے فراخدلانہ وظائف کی ضرورت کو تسلیم کیا۔ اس قرارداد میں ابتدائی مدارس کے لئے مسلمان انسپکٹروں کی تقرری کا طریقہ تسلیم کیا گیا تاکہ وہ اپنی قوم کی تعلیمی ضروریات اور تقاضے حکومت کے علم میں لاسکیں۔

جہاں تک ملازمتوں میں مسلمانوں کے تقرر کا مسئلہ تھا، قرارداد میں مقابلہ کا معیار قائم رکھنا ضروری سمجھا گیا۔ لیکن اس نے صوبائی حکومتوں، اعلیٰ عدالتوں اور دوسرے دفتروں کو یہ ھدایت دی کہ وہ ملازمتوں میں مسلمانوں کی عدم مساوات کو دُور کریں اور ماتحت عہدہ داروں پر زور دیں کہ جہاں کہیں موقع ہو مسلمانوں کو مقرر کیا جائے اس قرارداد میں صوبائی حکومتوں کو ھدایت دی گئی تھی کہ وہ سالانہ رودادوں میں مسلمانوں کی صورتِ حال کا اظہار کریں۔ قرارداد نے یادداشت پیش کرنے والوں کے جذبہ قومی کو سراہا اور توقع ظاہر کی کہ اب جب کہ مسلمانوں میں وقت کے ساتھ چلنے کا احساس پیدا ہوگیا ہے تو وہ ضرور ترقی کریں گے ۱۹؎

۱۸۸۵ء کی قرارداد جس کے ذریعہ تعلیم اور ملازمتوں میں مسلمانوں کی صورتِ حال کے بارے میں حکومت کی جانب سے کچھ مثبت قدم اُٹھائے گئے تھے۔ دراصل (سید امیر علی کی) یادداشت کا نتیجہ تھی۔ اس طرح یہ سید امیر علی اور ان کی انجمن کی ایک نمایاں کامیابی تھی۔ مسٹر جسٹس محمود کے الفاظ میں" اس قرارداد کو مسلمانوں کی تعلیمی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے"۔ سید امیر علی اس قرارداد کو مسلمانوں کا میگنا کارٹا سمجھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ" اس قرارداد کے بعد پنجاب کے گورنر سر ولیم ایچی سن (SIR WILLIAM AITCHISON) نے اپنے صوبے میں مسلمان طلباء کے لئے اسپیشل وظائف مقرر کئے، اور اسی طرح بنگال کے لفٹننٹ گورنر سر ریورس تھامپسن (SIR RIVERS THOMPSON) نے ملکہ کی مسلمان رعایا میں انگریزی تعلیم کی ہمت افزائی کی"۔

اس طرح اس یادداشت نے برطانوی حکومت کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلادیا کہ وہ مسلمانوں کی شکایتوں کو دور کرے اور اس سمت میں کوئی قدم اٹھائے۔ ہندو اخبارات نے عام طور پر اس یادداشت اور قرارداد پر تنقیدیں کیں اور یہ تاثر دیا کہ حکومت سرکاری معاملات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو قوموں میں بانٹ رہی ہے۔[۲۰]

سیاسی لائحہ عمل | سید امیر علی اور ان کی انجمن نے ہر میدان میں مسلم مفادات کے نگران کی حیثیت سے کام کیا۔ انھوں نے سریندر ناتھ بنرجی کی اس تحریک کی مخالفت کی کہ انڈین سول سروس کے امتحانات بیک وقت انگلستان اور ہندوستان میں منعقد ہوں۔ انھوں نے طریقۂ انتخاب کے ذریعہ مسلمانوں کی ملازمت کا مطالبہ کیا۔ سید احمد خان نے بھی جو ابتداء میں بنرجی کی تحریک کی تائید کرتے تھے بعد میں سید امیر علی کے نظریات کو اپنالیا اور انڈین سول سروس میں مقابلہ اور بیک وقت ہندوستان اور انگلستان میں امتحانات منعقد کرنے کی مخالفت کی۔

سید امیر علی اور ان کی انجمن نے وائسرائے اور گورنروں کے سامنے وفود اور سپاس ناموں کے ذریعہ مسلمانوں کے معاملات کی نمائندگی کی۔ ۱۲ نومبر ۱۸۸۷ء کو انجمن کا ایک وفد لارڈ ڈفرن سے ملا اور ان کی توجہ مسلمانوں کی پست حالی کی طرف مبذول کرائی۔ پھر ۲۴ مارچ ۱۸۸۸ء کو انجمن نے لارڈ ڈفرن کو الوداعی سپاس نامہ پیش کیا۔ اس کے جواب میں وائسرائے نے تسلیم کیا کہ تاریخی عوامل اور دوسرے حالات کی بنا پر مسلمان ایک غیر تسلی بخش حالت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو حکومت کے ہمدردانہ رویہ کا یقین دلایا۔ انجمن نے ۲۲ دسمبر ۱۸۸۸ء کو مارگوئیس آف لینسڈاؤن (MARQUIS-OF LANSDOWNE) کی خدمت میں خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ نئے وائسرائے نے جواب میں مسلمانوں کی حالت سے باخبری کا اظہار کیا اور یہ رائے ظاہر کی کہ مسلمانوں نے قومی دولت میں اپنے حق سے کم کے حصہ دار ہونے اور کوئی مناسب تنظیم نہ ہونے کی وجہ سے نقصانات اٹھائے[۲۱]۔ انجمن کے یہ مطالبات برطانوی حکام اور سیاست دانوں پر اثر انداز ہوتے تھے۔

اپنی قومی زندگی کی ابتداء ہی سے سید امیر علی انتظامیہ میں ہندوستانیوں کی نسبتہً زیادہ شرکت، کونسلوں کی توسیع، حلقہ رائے دہندگان کی وسعت اور بلدیاتی اداروں میں مسلمانوں کی جداگانہ نمائندگی کی وکالت کرتے رہے۔ ۱۸۸۰ء میں رسالہ نائن ٹینتھ سنچری (انیسویں صدی) میں مطبوعہ اپنے ایک مضمون

بعنوان "ہندوستان کے متعلق کچھ ہندوستانی مشورے" (انگریزی) میں انھوں نے پوری قوت کے ساتھ اپنے ان خیالات کا اظہار کیا۔ یہ مضمون وزیرِ ہند ڈیوک آف ڈیوَن شائر (DUKE OF DEVONSHIRE) کی نظروں سے گزرا اور ان کی دعوت پر سید امیر علی نے ان سے اپنے نظریات کے متعلق تبادلۂ خیال کیا۔[۲۲]

۱۸۸۳ء میں زیرِ بحث میونسپل بل پر حکومت بنگال کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن نے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو حق رائے دہی دینے کے لئے جائداد کی شرط کو کم کرنے اور اقلیتی قوموں کے لئے جداگانہ نمائندگی اور جداگانہ انتخاب کے طریقہ پر عمل کرنے کی رائے دی۔ انجمن نے حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر یہ رائے نہ مانی گئی تو مسودہ قانون بلدیاتی اداروں میں مسلم مفادات کے لئے نقصان رساں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان افتراق کا باعث ہوگا۔[۲۳]

مسلم حقوق کی حفاظت کے لئے سید امیر علی کی انجمن کی سیاسی تحریک مؤثر ثابت ہوئی۔ لارڈ ڈفرن نے (حکومتِ برطانیہ کے نام) اپنے مراسلہ مورخہ ۶ نومبر ۱۸۸۸ء میں قانون ساز کونسلوں کی توسیع کا مشورہ دیتے ہوئے لکھا کہ ہندوستان کی آبادی جداگانہ مذہب اور زبان رکھنے والی مختلف اور ممیز قوموں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے نزاعی تعصبات، باہم متصادم معاشرتی رسومات حتیٰ کہ معاندانہ مادی مفادات کی بنا پر علیحدہ ہیں۔ انڈین کونسل کے مسودہ قانون ۱۸۹۲ء پر پارلیمنٹ میں بحث کرتے ہوئے لارڈ کیمبرلے نے کہا کہ یورپ جتنے بڑے ملک کو جو مختلف قوموں پر مشتمل ہے، پارلیمانی طرز نمائندگی دینے کا تصور غیر حقیقی ہے۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ ہندوستانی مسلمان ایک اہم حیثیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ اور اگر آپ نے محض چند طبقے عامہ سے رہنمائی حاصل کی تو آپ بڑی دشواری میں پھنس جائیں گے"[۲۴]۔ آخر کار یہ مسودہ قانون ایک مصالحتی تجویز کی شکل میں سامنے آگیا۔ اس میں مختلف مفادات کی نشستیں محفوظ کرتے ہوئے کونسلوں میں ہندوستانی نمائندگی کی گنجائش رکھی گئی تھی لیکن چونکہ سارے ہی مفادات پر ہندو چھائے ہوئے تھے لہذا کونسلوں کے قانون مجریہ ۱۸۹۲ء کے ذریعہ مسلمانوں کو مناسب نمائندگی نہیں ملی۔

ایک مضبوط سیاسی جماعت کا حامی ۱۹۰۴ء میں انگلستان میں مستقل آباد ہو جانے کے بعد بھی سید امیر علی مسلم مفاد کے لئے لڑتے رہے۔ اگست ۱۹۰۶ء میں رسالہ نائن ٹینتھ سنچری میں مطبوعہ اپنے ایک مضمون "ہندوستان اور نئی پارلیمنٹ" (انگریزی) میں سید امیر علی نے پوری قوت کے ساتھ ہندوستان میں نمائندہ حکومت کی تجویز میں مسلمانوں کے لئے مناسب تحفظات کی وکالت

کی۔انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمان ایک جداگانہ قومیت کے مالک ہیں اور اکثریت کی آواز کو یہ حق نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اقلیت کی آواز کا گلا گھونٹ دے۔انھوں نے مسلمانوں کی سیاسی بے عملی اور آپس میں اتحاد کے فقدان پر اظہار افسوس کرتے ہوئے انھیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے احساسات اور خواہشات کی نمائندگی کے لئے ایک مؤثر سیاسی جماعت قائم کریں۔ سید امیر علی کو یقین تھا کہ صرف ایک منظم سیاسی جماعت کے ذریعہ سیاسی تحریک ہی سے مسلمان اپنے جائز حقوق کی حفاظت کی توقع کر سکتے تھے۔ انھوں نے مدراس کے مسلمانوں کے ایک سپاس نامہ کے جواب میں لارڈ ایمپتھل (LORD AMPTHILL) کی تقریر کا حوالہ دیا کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی خرابی اور سب سے بڑی خوبی ان کا انکسار ہے "آپ اپنا دباؤ کافی نہیں ڈالتے۔آپ مطالبہ کافی نہیں کرتے اور آپ کافی پیش قدمی کا مظاہرہ نہیں کرتے"۔ سید امیر علی نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس رائے پر عمل کریں۔[۲۵]

سید امیر علی کے اس مضمون کی اشاعت کے بعد مسلمانوں میں اہم سیاسی ترقیاں ہوئیں جو ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کی بنیاد بن گئیں۔اگست ۱۹۰۶ء میں اس مضمون کی اشاعت کے بعد اکتوبر ۱۹۰۶ء میں شملہ وفد کا تاریخی واقعہ اور آل انڈیا محمڈن کنفیڈریسی کے نام سے ایک سیاسی انجمن کی تجویز سے متعلق نواب سلیم اللہ کا گشتی مراسلہ سامنے آیا۔نواب سلیم اللہ کی تجویز پر ہندو اخبارات نے اور خصوصاً "بنگالی" نے ۱۴؍ دسمبر ۱۹۰۶ء کی اشاعت میں تنقیدیں کیں[۲۶]۔بہرحال نواب سلیم اللہ کے گشتی مراسلہ نے مسلمان رہنماؤں کو ڈھاکہ میں مل بیٹھنے اور ۳۰؍ دسمبر ۱۹۰۶ء کو مسلم لیگ قائم کرنے کا موقع فراہم کیا۔ شملہ وفد یا نواب سلیم اللہ کے گشتی مراسلہ پر امیر علی کا مضمون کس حد تک اثر انداز ہوا تھا، یہ ایک تحقیق طلب موضوع ہے۔

بہرحال سید امیر علی برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی تحریک کے پیش رو تھے۔ان کی انجمن مسلمانوں کی پہلی سیاسی جماعت تھی اور تقریباً چوتھائی صدی تک یہ جماعت مسلمان قوم کی بالفعل اور بالقوۃ نمائندہ جماعت رہی[۲۷]۔لیکن انجمن کی مرکزی شخصیت سید امیر علی کے انگلستان میں مستقل قیام کے بعد اسے زوال آگیا۔لہٰذا انھوں نے ایک دوسری مؤثر سیاسی جماعت بنانے پر زور دیا۔

<u>لندن مسلم لیگ</u> | انگلستان میں بھی سید امیر علی برصغیر کے مسلمانوں کی خدمت مؤثر طریقہ سے کرتے رہے۔۱۹۰۷ء میں انھوں نے لندن میں مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت کے قیام کی تحریک چلائی

اور ۶ مئی ۱۹۰۸ء کو انہوں نے کیکسٹن ہال کے ایک اجتماع میں آل انڈیا مسلم لیگ کی لندن کی شاخ کا رسمی افتتاح کیا۔ اس کا مقصد دستوری اور قانونی ذرائع سے مسلم مفادات کی ترقی و تحفظ اور ہندوستان کی مختلف قوموں کے درمیان ہم آہنگی اور اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اس شاخ کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے اس کے بانی اور صدر سید امیر علی نے مختلف میدانوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے یکساں مفادات مثلاً انتظامیہ میں ہندوستانی عنصر اور نمائندہ اداروں کی ترقی کا حوالہ دیا اور اِن مفادات کی بھی نشان دہی کی جو مسلمانوں سے مخصوص تھے۔ انھوں نے کہا کہ مسلمان دوسری قوموں میں مدغم ہونا گوارا نہیں کریں گے یہ اور بات ہے کہ مشترک بھلائی کے لئے یہ قومیں متحد ہو کر کام کریں[۲۸]

امیر علی اور جداگانہ انتخابات سید امیر علی اور لندن مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب حاصل کرنے اور برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی قومیت منوانے میں مہتم بالشان کردار ادا کیا۔ سید امیر علی کے الفاظ میں "بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ برطانوی سیاست کی غیر مستقل کیفیت کے تحت مسلم مفادات کی حفاظت کے لئے اس قسم کی مربوط اور اہم جماعت کتنی ضروری ہے"۔ وہ لکھتے ہیں "اس قسم کی ایک تنظیم کی ضرورت تو اس تشدد آمیز مناقشہ کے فوراً ہی بعد ثابت ہو گئی تھی جو مسٹر مارلے کی ہندوستانی اصلاحات کے سلسلہ میں نمودار ہوا تھا۔ اصلاحات کی تجویز کے مسودہ میں لارڈ مارلے نے مسلمانوں کے لئے علیحدہ نمائندگی کے اُصول کو مان لیا تھا لیکن اُنھوں نے مسلمانوں کے جداگانہ حق رائے دہی کی گنجائش نہیں رکھی تھی۔ انہوں نے ہر قوم کے لئے نشستوں کی تعداد مخصوص کر دی تھی، جن کا انتخاب ہر حلقہ انتخاب میں اپنی عددی قوت کے تناسب سے تمام قوموں پر مشتمل مخلوط انتخابی کالج کے ذریعہ ہونا تھا[۳۰]۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے اجلاسِ امرتسر منعقدہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۸ء میں مخلوط انتخابی کالج کے اس طریقہ کے خلاف اس بنا پر احتجاج کیا کہ اس کے ذریعہ صرف ہندو نواز مسلمان ہی منتخب ہو سکیں گے۔ اس اجلاس نے کونسلوں میں مسلم نمائندگی کے لئے جداگانہ مسلم انتخابیہ کا مطالبہ کیا۔ اس کے باوجود پارلیمنٹ میں مارلے کا اصلاحی قانون اپنی اصلی شکل میں زیرِ بحث آیا۔ بہرحال سید امیر علی اور لندن مسلم لیگ کی مؤثر تحریک لارڈ مارلے پر اس طرح اثر انداز ہوئی کہ اُنھوں نے اصلاحات کے مسودہ قانون میں جداگانہ مسلم انتخابیہ کا طریقہ شامل کر لیا۔

جنوری ۱۹۰۹ء میں جن دنوں اصلاحات کا مسودہ پارلیمنٹ کے سامنے اپنی اصلی شکل میں زیرِ بحث تھا، سید امیر علی نے روزنامہ "ٹائمز" میں ایک مراسلہ لکھ کر پُر زور طریقہ سے ثابت کیا کہ جداگانہ انتخاب

تو مسلمانوں کے محض وجود کے لئے ناگزیر ہے۔ اس مراسلہ نے انڈیا آفس کے حلقوں میں کھلبلی مچادی۔ اور سید امیر علی کو لارڈ مارلے کی طرف سے ملاقات کی دعوت دی گئی۔ سید امیر علی نے وزیر ہند پر مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کی اہمیت واضح کر دی۔ انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ۲۷ جنوری ۱۹۰۹ء کو وہ لارڈ مارلے کے پاس ایک بڑا وفد لے کر گئے اور ان کے سامنے جداگانہ مسلم انتخابیہ کے سلسلہ میں ایک یادداشت پیش کی۔ انھوں نے حکومت ہند کے گشتی مراسلہ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۷ء اور وزیرِ ہند کے نام حکومت کے مکتوب مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۰۸ء کا حوالہ دیا جس میں بتایا گیا تھا کہ مروجہ طریقہ انتخاب کے ذریعہ بہت کم مسلمان منتخب ہوئے تھے اور کونسلوں اور بلدیاتی اداروں پر ہندو چھا گئے تھے۔ سید امیر علی نے یہ بھی بتایا کہ وزیرِ ہند نے خود اپنے مکتوب مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۰۸ء میں حکومتِ ہند کی اس رائے سے اتفاق کیا تھا کہ توسیع شدہ کونسلوں میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی ملنی چاہیئے۔ سید امیر علی نے یہ ثابت کیا کہ مخلوط طریقہ انتخاب مسلم مفاد کو ہندو اکثریت کے ہاتھوں میں دے دیگا کیونکہ جو مسلمان منتخب بھی ہوں گے وہ محض ہندوؤں ہی کے نامزد ہوں گے۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ اپنی روایات، نسل، مذہب اور مقاصد کی بنا پر پانچ کروڑ تیس لاکھ مسلمان ایک جداگانہ قومیت کے مالک ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے انھوں نے کہا "جو چیز ایک گروہ کے مذہب میں داخل ہے اس سے دوسرا گروہ نفرت کرتا ہے۔ بعض جگہوں پر اگر کسی باہر والے کا سایہ نہیں تو کم از کم اس کے جسم کا لمس تو یقیناً نجاست کے مترادف ہے۔" آخر میں سید امیر علی نے کہا "میری قوم کے لوگ کسی ایسی نمائندگی پر راضی نہیں ہوں گے جو مناسب اور کافی نہ ہو۔" [۳۱]

لارڈ مارلے سید امیر علی کی وکالت سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے یقین دلایا کہ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا جائے گا۔ [۳۲]

سید امیر علی پر مخلوط طریقۂ انتخاب کی مخالفت ترک کرنے کے لئے بڑا دباؤ ڈالا گیا۔ اپنی سرگزشت میں وہ لکھتے ہیں کہ وائسرائے نے اپنی کونسل کے مسلمان اراکین کو میرے پاس بھیجا کہ وہ مجھے مخالفت ترک کرنے پر آمادہ کریں لیکن سید امیر علی اپنے موقف پر سختی سے قائم رہے۔ کیونکہ انھیں یقین تھا کہ مخلوط طریقہ انتخاب میں مسلم عنصر غرق ہو جائے گا اور یہ کہ ان کے زندہ رہنے کے لئے جداگانہ انتخاب بہت ضروری ہے۔ جداگانہ مسلم انتخابیہ کا حصول جس کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک جداگانہ قوم کی حیثیت سے آئینی طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا، مسلم قوم کے سیاسی ارتقاء میں سید امیر علی کی عظیم خدمت ہے۔

بنگال قانون ساز کونسل اور وائسرائے کی امپیریل قانون ساز کونسل کے رکن کی حیثیت امیر علی نے لوگوں کی حالت کی اصلاح کے لئے ہر ممکن کام کیا۔ وہ ۱۸۸۳ء کے البرٹ بل اور ۱۸۸۵ء کے بنگال لگان داری بل میں شریک رہے۔ کسانوں کی حالت دیکھ کر انھیں بڑا صدمہ ہوا اور رسالہ نائن ٹینتھ سنچری میں "بنگال کی اراضی کے مسائل" کے عنوان سے انہوں نے ایک مضمون لکھا۔[۳۴] مسلمانوں کی تعلیم کے لئے وقف کی جائدادیں استعمال کرنے کے لئے بھی انھوں نے حکومت پر بڑا زور دیا لیکن ان کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔ ۱۹۱۳ء کا وقف بل جس کا سہرا مسٹرایم اے جناح کے سر بندھا اپنی ابتداء کے لئے سید امیر علی ہی کا مرہونِ منت ہے۔[۳۵]

مسلم نشاۃِ ثانیہ سید امیر علی نے برصغیر میں مسلم نشاۃِ ثانیہ کی تحریک میں بڑا اہم کردار انجام دیا۔ مسلمان ان کے احسان مند ہیں کہ انھوں نے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور علمی میدانوں میں ان کے تابناک ماضی کی یاد انہیں پھر دلادی۔ سید امیر علی کو احساس تھا کہ مسلمانوں کی پستی کی ایک بہت بڑی وجہ ان کی اپنی تاریخی اور ثقافتی روایات سے لاعلمی ہے۔ ماضی کی روایات فراموش کردینے سے مسلمان علمی اور سیاسی میدان میں بے حس ہوگئے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخی اور ثقافتی روایات کے احیاء سے سید امیر علی کا مقصد ان کی ثقافتی اور اخلاقی نشاۃِ ثانیہ تھا تاکہ اس طرح ان کی سیاسی نشاۃِ ثانیہ ہوسکے۔ ان کو یقین تھا کہ ترقی پذیر عصری قوتوں کے ساتھ چلنے اور سیاسی سربلندی کے حصول کے لئے عقیدہ واعتماد کے ساتھ کام کرنے میں مسلمانوں کا ماضی ان کی ھدایت اور تشویق کا باعث ہوسکتا ہے۔ اس مقصد کو سامنے رکھ کر سید امیر علی نے اسلام کے تاریخی اور ثقافتی احیاء کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا اور اس موضوع پر انھوں نے بہت سی بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں۔ جو یہ ہیں:۔[۳۶]

۱۔ حیات وتعلیماتِ نبیؐ (انگریزی) ایڈنبرا، ۱۸۷۳ء

۲۔ روحِ اسلام (انگریزی) لندن، ۱۸۹۱ء

۳۔ مختصر تاریخِ اسلام (انگریزی) لندن، ۱۸۹۸ء

۴۔ عیسائیت اسلامی نقطۂ نظر سے (انگریزی) لندن، ۱۹۰۶ء

۵۔ اسلام (انگریزی) لندن، ۱۹۰۶ء

۶۔ اسلام میں عورت کا صحیح مقام (انگریزی) لندن، ۱۸۹۱ء

۷۔ مسلمانوں کے قوانین (محمڈن لاء۔ انگریزی) (ٹیگور لا لیکچرس) کلکتہ، ۱۸۸۴ء

۸۔ مسلمانوں کا شخصی قانون (انگریزی)، ۱۸۸۰ء

۹ - ہندوستانی قانونِ شہادت کی شرح (انگریزی) (جان جارج وڈروف کے ساتھ مشترک تصنیف) کلکتہ، ۱۸۹۸ء

۱۰ - ہندوستانی ضابطہ دیوانی کی شرح (انگریزی) (جان جارج وڈروف کے ساتھ مشترک تصنیف)

۱۱ - عین الہدایہ - حنفی فقہ کی مشہور کتاب ھدایہ کا اُردو ترجمہ

۱۲ - جہاد پر ایک کتابچہ

۱۳ - بنگال کے قانون لگان کی شرح

اپنی تصنیفات میں سید امیر علی نے اسلام کے عظیم نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ایک مثالی انسان، معیاری رہنما اور معاشرہ میں ایک جمہوری نظام کے بانی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ کہتے ہیں "ایسی پاکیزہ، ایسی نازک اور پھر ایسی اولوالعزمانہ فطرت احترام ہی نہیں بلکہ محبت کا احساس پیدا کرتی ہے۔" وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عالمی مذہب کی بِنا ڈالی جس میں عالم گیر کشش ہے اور اُنہوں نے عالم گیر انسانیت، مساوات اور اخوّت پر مبنی ایک ضابطہ عمرانی سے دنیا کو روشناس کرایا۔[۳۷] سید امیر علی لکھتے ہیں "اسلام نسل یا رنگ، گورے یا کالے، شہری یا فوجی، حکمراں یا رعایا کے فرق کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ سب نہ صرف نظری طور پر بلکہ عملی طور پر برابر ہیں۔" وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اس وقت ایک قابلِ عزت مقام دیا جب وہ مردوں کی غلامی میں جکڑی ہوئی تھیں، اور انہیں وہ حقوق دلوائے جو عہد حاضر کی مہذب قومیں چاہنے نہ چاہنے کے باوجود دینے پر مجبور ہوگئی ہیں۔[۳۸]

اسلام کی حریت پسندانہ قوت کا ذکر کرتے ہوئے سید امیر علی لکھتے ہیں "وقت آگیا ہے کہ وہ آواز جس نے دنیائے انسانیت میں آزادی، مساوات اور عالم گیر اخوّت کا نعرہ بلند کیا ایک بار پھر چودہ سو سال کے روحانی اثر و نفوذ سے حاصل کی ہوئی تازہ قوت کے ساتھ سُنی جائے۔"[۳۹] اسلام کے ضابطہ سیاسی کا ذکر کرتے ہوئے سید امیر علی لکھتے ہیں "عمرانی طور پر اس وقت جب کہ عوام ایک مایوس کن محکومی میں گرفتار تھے، اسلام نے ایسے ضابطہ سیاسی کو درجہ تکمیل تک پہنچا دیا جو بنیادی طور پر جمہوری تھا اور رعایا کی طرف حکمراں کے فرائض اور انسانوں کی آزادی اور مساوات پر زور دیتا تھا۔"[۴۰] اسلامی رواداری کے بارے میں سید امیر علی لکھتے ہیں "دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے لئے کسی مذہب میں اسلام سے زیادہ رواداری نہیں ہے۔"[۴۱] سید امیر علی نے اسلام کو دنیا میں ایک ترقی پذیر اور متحرک قوت کے طور پر

پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "ترقی کی ہر منزل سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نظام کی مطابقت اس کے بانی کی حکمت کی مظہر ہے"[۴۱] عربوں کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے سید امیر علی لکھتے ہیں کہ انھوں نے چند سالوں کے اندر اندر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی اور انھوں نے دنیائے فکر کو اپنے انکشافات اور افکار سے مالامال کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں "جدید یورپ اب تک انھیں (عربوں) کی تحقیقات سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور انھوں نے اپنے جانشینوں کے لئے جو علمی دولت چھوڑی اس سے فیض یاب ہو رہا ہے۔"[۴۳]

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مسلم نشاۃِ ثانیہ کی تحریک میں سید امیر علی نے برصغیر کے ہر مسلم رہنما سے زیادہ مثبت اور مستحکم حصہ لیا۔ ایک روحانی اور علمی قوت کے طور پر اسلام کے عظیم کردار پر انھیں یقین ہے اور اس پر انھیں فخر ہے۔ اسلام کے لئے ان کی وکالت ممتاز، دلوں میں جوش پیدا کرنے والی اور پُراز معلومات ہے۔ اس میدان میں ان کی عالمانہ تصنیفات کو تمام دنیا نے اور مختلف الخیال مسلمانوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سید احمد خان نے بھی نبی اکرمؐ اور اسلام کے بارے میں لکھا اور برصغیر میں مسلم نشاۃِ ثانیہ کی تحریک میں حصہ لیا لیکن ان کا اسلام کو پیش کرنے کا طریقہ سید امیر علی سے مختلف تھا۔ سید احمد خان یہ ثابت کرتے تھے کہ اسلام ترقی کا مخالف نہیں ہے۔ سید امیر علی نے جس اسلام کو پیش کیا وہ بذاتِ خود ترقی ہی ترقی ہے۔ سید احمد خان کی تحریریں معذرت خواہانہ انداز کی تھیں کہ اسلام ایک قابلِ عزت مذہب ہے اور اسے نظرِ تحقیر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ انھوں نے کہا کہ اسلام آزادانہ ترقی کے خلاف نہیں ہے[۴۴]۔ اپنی تصنیفات میں سید احمد خان بلاوجہ غیر متعلق دینی مباحث میں اُلجھ گئے۔ مغربی عقلیت کے زیرِ اثر انھوں نے مسلم دینیات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کر دیا اور شریعت کے ہر اس مسئلہ کو رد کر دیا جو منطق اور فطرت کے خلاف تھا۔ اس طرح عقل و فطرت کو بروئے کار لا کر سید احمد خان نے دین میں سوائے قرآن پاک کے ہر چیز کی فیصلہ کن اہمیت کو ختم کر دیا۔ علی گڑھ کے رہنما کے ان خیالات نے قدامت پسند مسلم معاشرہ میں ایک ہیجان برپا کر دیا اور ان کے ناقدین انھیں حقارت سے نیچری (دہریا۔ فطرت پرست) کہنے لگے جو کلام الٰہی کی تشریح نظامِ فطرت سے کرتے تھے[۴۵]۔ سید امیر علی اس قسم کے غیر متعلق دینی مباحث سے کنارہ کش رہے۔

سید احمد خان نے تاریخ کو اہمیت نہیں دی اور اس طرح ماضی میں مسلمانوں کے شاندار عروج کو نظر انداز کر دیا[۴۶]۔ سید امیر علی نے اپنا رُخ تاریخ کی طرف موڑا اور مسلمانوں کے صدیوں تک کے سیاسی اور ثقافتی کارناموں کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے شاندار ماضی کو مسلم نشاۃِ ثانیہ

کی تحریک کی بنیاد بنایا۔ مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ و ثقافت کا احیا، سید امیر علی کی طرف سے مسلم قوم کی ایک قابلِ ذکر خدمت ہے۔ ان کی تصنیفات کے قارئین میں طلباء اور اہلِ علم کی ایک کثیر تعداد شامل ہے اور عالم اسلام کے انگریزی داں طبقہ میں اسے بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ سید امیر علی کی شاندار 'تاریخ اسلام' نے جو بار بار طبع ہوئی، مسلمانوں کے سیاسی اور ثقافتی ورثہ کو شہرتِ عام بخش دی اور مسلمان قوم میں دوبارہ اعتماد اور رجائیت کی روح پھونک دی۔

مسلمانوں کی پہلی سیاسی جماعت کے بانی سید امیر علی برصغیر میں مسلم سیاسی تحریک کے پیش رو ہیں۔ مسلمانوں کی سیاسی قومیت کا نظریہ انھیں سے شروع ہوا اور مسلم قوم کی سیاسی علیحدگی کی تحریک ۱۸۷۷ء میں سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن کے قیام کے ساتھ ہی شروع ہو گئی۔ اپنی سیاسی جماعت کے ذریعہ سید امیر علی نے مسلمانوں کی سیاسی اور تعلیمی حالت کو فروغ دیا اور ان کے جائز حقوق اور مفادات کی نگرانی کی جو شاید بصورت دیگر بہت بُری طرح مجروح ہوتے۔ مغربی خطوط پر دستوری طریقوں سے سیاسی تحریک کے لئے ان کی جماعت تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تربیت گاہ بن گئی۔ جداگانہ مسلم انتخابیہ جو دراصل جداگانہ سیاسی قومیت مان لینے کے مترادف تھا، سید امیر علی ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

سید امیر علی کی رہنما سیاسی تحریک اور مسلمانوں کے ثقافتی احیاء اور علمی بیداری کے لئے ان کی خدمات انھیں مسلم قوم کی زندگی میں ایک نمایاں مقام کا مستحق قرار دیتی ہیں۔ سید امیر علی نے اسلام کی ثقافتی قوت کو اپنی سیاسی تحریک کی بنیاد بنایا جس کا اثر بیسویں صدی کی ابتدا میں برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی پر بہت گہرا پڑا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ "سرگزشت رائٹ آنریبل سید امیر علی" (انگریزی۔ تدوین ارنسٹ ایچ گریفن) اسلامک کلچر جلد پنجم ۱۹۳۱ء، ص ۲۰۔ ۵۱۳۔ "ممتاز مسلمان" (انگریزی۔ گمنام مصنف) جی، اے نٹیسن اینڈ کمپنی ناشرین، ۱۹۲۶ء۔ ص ۵۳۔ ۱۴۵۔

۲۔ رام گوپال "ہندوستانی مسلمان" (انگریزی) (۱۸۵۸ء تا ۱۹۴۷ء) بمبئی ۱۹۵۹ء، ص ۲۴۔

۳ - آر سی، مجومدار" انیسویں صدی کے کلکتہ میں بنگال کی ایک جھلک" (انگریزی) ۱۹۶۰ء ص ۹۰-۸۵- انڈین ایسوسی ایشن کے مقاصد (۱) ملک میں ایک مضبوط رائے عامہ پیدا کرنا (۲) مشترک سیاسی مفادات اور خواہشات کی بنیاد پر ہندوستانی نسلوں اور عوام کا اتحاد (۳) ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دوستی کے احساسات کو فروغ دینا (۴) عظیم عصری سیاسی تحریکوں میں عوام کی شمولیت۔

۴ - "سرگزشت"۔ اسلامک کلچر جلد ششم ۱۹۳۲ء۔ بعد میں ایسوسی ایشن کا نام سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن رکھا گیا۔

۵ - "سرگزشت"۔ اسلامک کلچر جلد پنجم ۱۹۳۱ء ص ۵۴۰-۵۴۱ - سید امیر علی کہتے ہیں کہ بارہ برس کے بعد (۱۸۸۹ء میں) سید احمد خان نے انجمن دفاعِ مسلمین (محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن) قائم کی۔ سید امیر علی سید احمد خان کے اس فعل کو ایک افسوسناک قدم قرار دیتے تھے کیونکہ اسے اشتعال انگیز سمجھا جا سکتا تھا۔

۶ - "سرگزشت" اسلامک کلچر جلد ششم ۱۹۳۲ء ص ۱۷۱ - ۱۸۹۳ء میں سید احمد خان نے انجمن ہندوستانی متحدہ محبین وطن (INDIAIN UNITED PATRIOTIC ASSOCIATION) قائم کی۔ ملاحظہ ہو ڈبلیو سی، اسمتھ "ہندوستان میں جدید اسلام" (انگریزی) لندن ۱۹۴۰ء ص ۲۴۔ ۱۸۷۷ء میں سید احمد خان نے ایس این بنرجی کی ہندوستانی انجمن (انڈین ایسوسی ایشن) میں شرکت اختیار کر لی لیکن ان کی شرکت اس تقریب تک محدود تھی جو انھوں نے علی گڑھ کے اس عام جلسہ میں کی تھی جس کی صدارت بنرجی کی دعوت پر انھوں نے خود کی تھی۔

۷ - ڈبلو ایس، بلنٹ "ہندوستان رپن کے عہد میں" لندن ۱۹۰۹ء ص ۹۸-۹۷۔

۸ - شیخ عبدالرشید" کلکتہ کی سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن اور یادداشت جو لارڈ رپن کو پیش کی گئی"۔ پنجاب یونی ورسٹی ۱۹۶۳ء ص ۳-۲۔

۹ - ایضاً۔

۱۰ - سید امیر علی تقریباً پچیس سال تک اس انجمن کے سیکرٹری رہے۔ نواب امیر علی اس کے پہلے صدر رہے۔ ملاحظہ ہو زیڈ، اسلام "سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن پر ایک مختصر تحریر (انگریزی مقالہ) روداد پاکستان ہسٹری کانفرنس ۱۹۵۹ء ص ۸۷۔ رام گوپال، محولہ بالا ص ۵۰ اور ص ۳۲۹۔ رام گوپال نے شاخوں کے نام بھی دیئے ہیں:- کراچی، شہزاد پور، شکارپور، لاڑکانہ، سکھر، لاہور، امرتسر، دہلی، ہردوئی، حصار، گجرات، انبالہ، لدھیانہ، بریلی، بدایوں، موہان، الہ آباد، اجمیر، لکھنؤ، غازی پور، سورت، ڈنڈی گل، بنگلور، تمکور، وزگاپٹم، وزیانگرم، سہسرام، آرہ، دیناج پور، گیا، پٹنہ، چھپرا، سیوان، مظفرپور، موتیہاری، بھاگل پور، ہگلی، جہان آباد،

پانڈوا، رنگ پور، مدنا پور، بوگرا، راجشاہی، نواکھالی، میمن سنگھ، کومیلا، شیلانگ، چاٹگام، دمکا، برہمن باڑیہ اور کٹک۔

۱۱۔ رام گوپال، محولہ بالا۔ صـ ۷۷۔۷۶۔

۱۲۔ امیر حسین، بنگال میں مسلمانوں کی تعلیم پر ایک کتابچہ (انگریزی) کلکتہ ۱۸۸۰ء صـ ۱۷۔۱۔

۱۳۔ ایم۔ اے۔ خان۔ مقالہ مسلم تجدد اور انیسویں صدی کے بنگال میں تعلیمی اصلاحات (غیر مطبوعہ) صـ ۱۸-۱۵ (بسند تاریخ مدرسہ عالیہ صہ ۴۴۔۲۰۴)

۱۴۔ زیڈ اسلام، متذکرہ بالا صـ ۸۷۔

۱۵۔ "سرگزشت" اسلامک کلچر جلد ششم ۱۹۳۲ء صـ ۶۸۔۱۶۷۔

۱۶۔ ایضاً صـ ۱۷۰۔۱۷۱۔

۱۷۔ شیخ عبدالرشید۔ لارڈ رپن کو پیش کردہ یادداشت (سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کی) ۱۸۸۲ء۔ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۶۳ء صـ ۲۵۔۱۳۔ ایضاً صـ ۳۱۔۲۵۔ امیر علی کو ایسا ہی تجربہ قانون کے پیشہ میں بھی ہوا۔

۱۸۔ شیخ عبدالرشید۔ سنٹرل نیشنل الخ، صـ ۷-۶ اور تاریخ تحریک آزادی (انگریزی) کراچی ۱۹۶۱ء جلد دوم، حصہ دوم صـ ۵۲۷۔

۱۹۔ ایضاً صـ ۱۰۔۸۔

۲۰۔ "سرگزشت" اسلامک کلچر جلد ششم ۱۹۳۲ء صـ ۱۷۱۔ زیڈ اسلام اور جنسن "ہندوستانی مسلمان اور سرکاری ملازمت" (انگریزی) جے۔ اے۔ ایس۔ پی جلد نہم نمبر ا جون ۱۹۵۴ء صـ ۹۴۔

۲۱۔ رام گوپال، محولہ بالا، صـ ۵۷۔۵۲ اور صـ ۸۱۔۸۰۔ فاروق شاہ ۱۸۸۸ء میں سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کے صدر تھے۔

۲۲۔ "سرگزشت" اسلامک کلچر جلد ششم ۱۹۳۲ء صـ ۱۱۴۔۱۱۳۔

۲۳۔ آئی۔ ایچ۔ قریشی۔ پاکستان کی ایک مختصر تاریخ (انگریزی) جلد ششم صـ ۵۷۔۱۵۵۔

۲۴۔ رام گوپال، محولہ بالا، صـ ۸۲۔۸۱

۲۵۔ امیر علی، ہندوستان اور نئی پارلیمان (انگریزی) جرنل آف دی نائن ٹینتھ سنچری (ڈاکٹر حسن زماں کی فوٹو کاپی) صـ ۵۸۔۲۵۴۔ لارڈ ایمپتھل لارڈ کرزن کی چھٹی کے دوران (اپریل۔ دسمبر ۱۸۶۴ء) ہندوستان

کے عارضی والسرائے تھے۔ ہندوستان اور نئی پارلیمان وغیرہ ص ۵۸ - ۲۵۷۔

۲۶۔ رضی واسطی، مسلم لیگ کے ابتدائی سال (انگریزی) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کا جریدہ جلد ۹ شمارہ ۴ اکتوبر ۱۹۶۱ء ص ۴۵ - ۲۴۳۔

۲۷۔ شیخ عبدالرشید "سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن ...... الخ" ص ۳۔

۲۸۔ "سرگزشت" اسلامک کلچر جلد ششم ص ۳۵ - ۲۳۴ - رضی واسطی "مسلم لیگ کی لندن شاخ کا قیام" (انگریزی) ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان کا جریدہ لاہور جنوری ۱۹۶۵ء ص ۳۰ - ۲۹ - ابن احمد مسلم لیگ کے اعزازی سیکرٹری تھے۔ انڈیا کونسل کے ایک رکن میجر ایس ایچ بلگرامی اور پارلیمنٹ کے ایک ممبر ہیرلڈ کاکس نے افتتاحی جلسہ میں تقریریں کیں۔ لندن مسلم لیگ کا دفتر ویسٹ منسٹر میں ۴۲ کوئن اینیز چیمبر میں تھا۔

۲۹۔ "سرگزشت" اسلامک کلچر جلد ششم ۱۹۳۲ء ص ۳۴ ۳ اور ۳۷ - ۳۳۶۔

۳۰۔ ایضاً۔ (۳۱)۔ ایضاً ص ۴۴ - ۳۴۰، ۳۸ - ۳۳۷، ۳۲۹۔ (۳۲) ایضاً ص ۴۷ - ۳۴۵۔

۳۳۔ ایضاً ص ۳۴۸ (اصل مضمون کے متن میں یہ نمبر کسی عبارت پر نہیں ہے جو ایک فروگذاشت ہے)۔

۳۴۔ ایضاً ص ۶۴ - ۱۶۳، ۷۱ - ۱۶۹۔ پی، ای، رابرٹس "تاریخ برطانوی ہند" (انگریزی) آکسفورڈ ۱۹۵۲ء ص ۹۹ - ۴۹۴۔

۳۵۔ "ممتاز مسلمان" متذکرہ بالا ص ۲۲ - ۱۳۱۔ سرگزشت۔ اسلامک کلچر جلد ششم ۱۹۳۲ء ص ۱۱ اور ۱۷، ۲۔ ممتاز مسلمان" متذکرہ بالا ص ۱۳۲۔

۳۶۔ "سرگزشت" ایضاً ص ۷۷، ۱۷۵، ۱۵، ۱۔ ایم اے خان "کتابیات" وغیرہ۔

۳۷۔ "روح اسلام" (انگریزی) (پانچواں ایڈیشن) ص ۱۱۸، دیباچہ، ص ۱۶۵، ۵۸، ۱۔ (۳۸)۔ ایضاً ص ۶۲ - ۲۵۶۔

۳۹۔ ایضاً ص ۲۶۷۔ (۴۰) بحوالہ ڈبلو، سی، اسمتھ محولہ بالا ص ۵۰۔ (۴۱) روح اسلام ص ۲۷۲۔

۴۲۔ ڈبلو، سی، اسمتھ، حوالہ متذکرہ بالا ص ۴۹۔ روح اسلام (انگریزی) ص ۲۳۱۔

۴۳۔ تاریخ اسلام (انگریزی) لندن ۱۹۵۱ء دیباچہ ص ۷ رومن۔

۴۴۔ ملاحظہ ہو ڈبلو، سی، اسمتھ۔ متذکرہ بالا ص ۲ اور ص ۵۱/۴۹۔

۴۵۔ ایضاً۔ (۴۶)۔ ایضاً۔